امام رضا علیہ السلام اور مسئلہ ولی عہدی

سید طیب رضا نقوی

امام رضا علیہ السلام نے مسئلہ ولی عہدی میں اپنی قبولیت کا اظہار اسی حد تک فرمایا ہے جہاں تک آپ کی حسن تدبیر عاقبت بینی اور احتیاط اجازت دیتی تھی اور جہاں تک آپ اس امر کے قبول فرمانے کو نظام امت کی درستی کے لئے ضروری سمجھتے تھے۔ موجودہ مسئلہ ولی عہدی میں جو کچھ آپ نے کیا وہ انہیں اصولوں کے مطابق تھا ورنہ حقیقت میں نہ ولی عہدی تھی نہ امارت نہ وزارت نہ صدارت۔ جس پر آپ کے یہ خاص الفاظ مشاہد ہیں'' میں جملہ امور ملکی سے علیحدہ رہ کر تمہیں صرف صلاح نیک دیتا رہوں گا۔''

اسلام کے اخبار وآثار سے واقف اور سیرت آئمہ طاہرین علیہم السلام کا مطالعہ کرنے والے حضرات جب آپ کی اس ولی عہدی پر غور کریں گے اور آپ کے اس قول کو پڑھیں گے تو ان کی سمجھ میں مکمل طور سے یہ بات آجائے گی کہ خلیفہ وقت مامون رشید کی تجویز سے آپ کا اتفاق یا امور سیاسی اور مسائل ملکی کی ضرورتوں کے وقت اس کی تائید کا وعدہ جو ولی عہدی کے نام سے آج تک مشہور ہے بالکل ایسا ہی ہے جس طرح امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ نے اپنے زمانہ کی تین خلافتوں کے وقت اختیار فرمایا تھا۔ خلافت اول سے لیکر خلافت ثالثہ کے آخری وقت تک جب کسی خلیفۂ وقت نے کسی ملکی مسئلہ میں آپ کی ضرورت دیکھی آپ سے رائے طلب کی، آپ نے جو مصلحت وقت اور ضرورت زمانہ دیکھی، نہایت آزادانہ اور دوستانہ طور پر بتلادیا جس کے باعث ان لوگوں کو برابر کامیابی ہوتی گئی۔ چنانچہ امیر المومنین علیہ السلام نے ظاہری خلافت قبول کرتے وقت اس طرح ارشاد فرمایا

'' میں تمہارا امیر اور حاکم تو ہوتا ہوں مگر اسی وقت تک جب تک تم میرے محکوم اور مطیع رہو گے اور جب تم میری اطاعت اور حکومت سے علیحدہ ہوجاؤ گے تو پھر میں بھی تم جیسا ہوجاؤں گا۔ مگر تاہم میں تمہارے ساتھ وہی امور قائم رکھوں گا جو تمہاری صلاح ورفاہ پر مبنی ہوں گے۔

ہر صاحب عقل وشعور ان قیود وشرائط کو دیکھ کر بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ امیر المومنینؑ نے اپنے حزم واحتیاط کو مدنظر رکھ کر اپنی خاص امارت وحکومت کو بھی کس حد اور کس درجہ تک محدود فرمادیا تھا۔ صلاح خیر اور مشورہ نیک کے اصول پر اپنے تمام امور کو منحصر کررکھا تھا چنانچہ خلافت اور غیر خلافت دونوں زمانوں میں یہی اصول ہمیشہ آپ کے مدنظر رہتے تھے اور آپ کے موجودہ منصب امامت کے اعتبار سے ملکی امور میں آپ کی اتنی ہی مداخلت کافی تھی کیونکہ نظام امت کے امور کو جس قدر ضرورت تھی وہ اتنی ہی تھی جو نبیؐ کے بعد امامؑ

کے فرائض مخصوصہ میں داخل اور شامل تھی۔

صورتحال فقط امیر المومنینؑ سے مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر امامؑ نے اپنے زمانہ میں اسی اصول کو مدنظر رکھ کر اپنے اپنے دور کے حکمراں اور فرمانروا کی ان ضرورتوں کے وقت ضروری مدد فرمائی۔ جن حضرات نے اسلامی اخبار وآثار کا مشاہدہ کیا ہے وہ اہلبیت علیہم السلام کی سیرت کے گوشوں کو پڑھ کر بخوبی معلوم کرسکتے ہیں کہ امام زین العابدینؑ نے واقعہ حرّہ میں مسلم بن عقبہ کے مظالم کے سامنے بھی جو طریقہ اختیار فرمایا تھا وہ یہی تھا امام محمد باقرؑ نے عبدالملک بن مروان کو اسلامی سکہ کے رواج کے معاملات میں جو مشورے دئے وہ بھی انہیں اصولوں پر مبنی تھے۔ امام صادقؑ نے سادات بنی حسن کو حصول خلافت کے خلاف جو ہدایتیں فرمائیں اور منصور عباسی کو اس کی نسبت جیسی فہمائش کیں ان میں بھی یہی اصول مضمر تھے۔ اسی طرح امام موسیٰ کاظمؑ نے مہدی کو اس کے اوائل سلطنت میں جو مفید نصائح کیے ان کے اغراض ومقاصد بھی یہی تھے۔

مگر تمام تر ضروریات کے باوجود یہ مقدس ہستیاں اپنے استغنا اور وقار کا ہمیشہ خیال رکھتی تھیں اور کبھی عام طور سے یا بلا ضرورت فرمانروان ملکی کے کسی کاروبار میں کسی طرح کی کوئی مداخلت نہیں کرتی تھیں یا ان کے کسی امر میں جس میں ان کے کسی مشورہ یا اصلاح کی ضرورت نہیں ان میں نہایت خاموشی اور سکوت فرمایا جاتا تھا۔ ان حضرات کی اس روش پر اگر تفصیل سے غور کیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ اس رواداری سے آپ حضرات کا کیا مقصد تھا جیسا کہ ہم نہج البلاغہ میں امیر المومنینؑ کے خطبہ شقشقیہ میں دیکھتے ہیں جہاں حضرت نے شکوہ فرمایا ہے وہاں چند ہی جملوں کے بعد شیخین کے ساتھ رواداری کا بھی اظہار فرمایا ہے جن میں سے بعض جملوں کا ترجمہ ذکر کر رہے ہیں حضرت فرماتے ہیں۔

تعجب ہے کہ وہ زندگی میں تو خلافت سے سبکدوش ہونا چاہتا تھا لیکن اپنے مرنے کے بعد اس کی بنیاد دوسرے کے لئے استوار کر گیا بیشک ان دونوں نے سختی کے ساتھ خلافت کے تھنوں کو آپس میں بانٹ لیا۔ اس نے خلافت کو ایک سخت ودرشت محل میں رکھ دیا۔۔۔ یہاں تک کہ دوسرا بھی اپنی راہ لگا اور خلافت کو ایک جماعت میں محدود کر گیا اور مجھے بھی اس جماعت کا ایک فرد خیال کیا۔ اے اللہ مجھے اس شوریٰ سے کیا لگاؤ؟ ان میں کے سب سے پہلے کے مقابلہ میں میرے استحقاق وفضیلت میں کب شک تھا جو اب ان لوگوں میں بھی شامل کرلیا گیا ہوں مگر میں نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ جب وہ زمین کے نزدیک ہوکر پرواز کرنے لگیں تو میں بھی ایسا ہی کرنے لگوں اور جب وہ اونچے ہوکر اڑنے لگیں تو میں بھی اسی طرح پرواز کروں یعنی حتی الامکان کسی نہ کسی صورت سے نباہ کروں۔

اسی طرح امام حسنؑ نے معاویہ کے مقابلہ میں اور امام حسینؑ نے واقعہ کربلا کے آغاز ہونے تک یزید بن معاویہ کے مقابلے میں، امام زین العابدینؑ نے مسلم بن عقبہ کے مقابلہ میں امام محمد باقرؑ نے ہشام

کے مقابلے میں امام جعفر صادقؑ نے ہشام کے زمانہ سے آخری مروانی خلیفہ تک، پھر سلسلہ عباسیہ میں سفاح سے لیکر منصور دوانیقی تک برابر یہی طرز عمل اختیار فرمایا تھا اور ان کی مختلف ظالمانہ تدبیر کے عوض اپنی حسن تدبیر عاقبت اندیشی کے ایسے ہی عدیم المثال نمونے دنیا کے سامنے پیش کئے تھے۔ امام موسیٰ کاظمؑ بھی مہدی بن منصور کے وقت سے لیکر ہارون کے زمانہ تک ان کے تمام مخالفانہ امور کے مقابلے میں یہ طریقہ اختیار فرمایا جس سے بخوبی ثابت ہوجاتا ہے کہ ملکی فرمانرواؤں اور صاحبان اقتدار کے ساتھ ان بزرگواروں کا جتنا اتفاق ان کی تجویز اور تدبیروں کے متعلق ان حضرات کی جس قدر مشارکت یا مشورت پائی جاتی ہے وہ تمام نظام امت کی عام ضرورتوں کی بناپر مبنی ہوتی تھی اور انہیں خاص ضرورتوں کی وجہ سے ان امور میں ان کی کمک واعانت بھی ضروری سمجھی جاتی تھی اور بظاہر ان کی تدبیروں سے اتفاق بھی کیا جاتا تھا اور ان کی درخواستیں وغیرہ بھی قبولیت و اجابت کے درجہ پر فائز فرمائی جاتی تھی۔

امام رضا علیہ السلام کے علونفس اور ذاتی کمالات میں مسئلہ ولی عہدی اہم مسئلہ ہے۔ اہل دنیا اس کو حصول عزت کا سبب سمجھتے ہیں مگر در اصل پیغمبرؐ خدا کے جانشین اور فرزند مشکل کشاء کے لئے ایک ظالم وجابر بادشاہ کی ولی عہدی اختیار کرنا درحقیقت نفس امامؑ کے لئے باعث آزمائش اور محل امتحان تھا اور ابتلا کی سخت ودشوار منزل تھی کہ اختیارات کامل کے باوجود مامون کی ماتحتی اور ولی عہدی قبول کرنا پڑی یہ بالکل غلط خیال ہے۔ مورخین عامہ دھوکہ میں مبتلاہیں کہ مامون رشید نے ایک شیعہ ہونے کی حیثیت سے خوش اعتقادی کے باعث آپ کوطلب کیا تھا اور یہ بھی غلط ہے کہ مامون کے وزیر فضل بن سہل نے شیعہ ہونے کی وجہ سے امامؑ کو بلانے کی تحریک کی تھی فریقین کے مورخین جو واقعات درج کرتے ہیں اس سے صحیح نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ در اصل خوش اعتقادی محرک نہ تھی بلکہ سیاسی ضرورت اور بقائے سلطنت کا انحصار اس وقت اسی پر تھا کہ خاندان رسالت کا وہ پیشوا اس پیچیدہ اور اختلافی شورش کو دفع کرسکتا ہے جس کے روحانی وقار کو عراق وعجم کی رعایا خوب پہچانتی ہے ورنہ فضل کے ہاتھ سے وزارت اور مامون کے ہاتھ سے سلطنت نکلنے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رہ گیا تھا۔

ہم اس مقام پر ان سیاسی ضرورتوں کا بیان کرنا ضروری سمجھتے ہیں جنہوں نے مامون کو یہ تدبیر عمل میں لانے پر مجبور کیا۔ ہارون رشید نے اپنے بعد کے لئے ولی عہدی کو نہایت غوروفکر کے بعد اس طرح طے کیا تھا کہ عرب وحجاز ملک عراق وملک شام اپنے بڑے بیٹے امین کو دے کر دار الخلافہ بغداد کا حاکم، جانشین وخلیفہ مقرر کیا اور مامون کو ایران، سیستان، ہوازن، سمرقند وغیرہ سپرد کرکے دار السلطنت شہر مرو کو قرار دیا۔ یہ تقسیم ۱۹۲ھ میں واقع ہوئی میں ۱۹۳ھ میں ہارون خراسان پہونچ کر فوت کر گیا چار برس تک دونوں بھائیوں کے درمیان کوئی نزاع نہیں ہوا۔ ۱۹۷ھ میں امین نے اپنے کمسن فرزند موسیٰ کو مکمل سلطنت عراق وعجم کا ولی عہد بنادیا۔ مامون کو یہ تقرر نہایت شاق گذرا چنانچہ آپسی اختلافات بڑھنے لگے۔ امین نے ساٹھ ہزار

کا لشکر آراستہ کر کے اپنے وزیر علی بن موسیٰ کی سرداری میں فوج کشی کردی اور مامون کو حکومت سے دست برداری کا فرمان روانہ کردیا۔ مامون نے یہ خبر پا کر ایران کے چنندہ اور صف شکن بہادر جمع کئے اور فقط چار ہزار کا لشکر آراستہ کر کے طاہر بن حسین ذوالیمین کی امارت میں مہم پر روانہ کردیا دونوں فوجوں کا مقام رے پر مقابلہ ہوا۔ ایرانی افواج نے عیسیٰ وزیر سلطنت عراق کا خاتمہ کردیا جس کے نتیجہ میں اسے شکست ہوئی پھر امین نے دوسری فوج عبد الرحمٰن کی ماتحتی میں بھیجی اس نے بھی شکست کھا کر فرار اختیار کیا۔ مامون نے فتح کی خبر سنکر تیس ہزار فوج ہرثمہ بن اعین کی ماتحتی میں روانہ کیا اور ایرانی فوج نے تمام عراق پر قبضہ کرلیا اور ۲رمحرم ۱۹۹ھ کو امین بھی قتل کر ڈالا گیا۔ مامون نے حسن بن سہل ایرانی کو تمام عراق پر حکمران بنا کر بھیج دیا۔ اس کا بھائی فضل ایران کا وزیر اور حسن عراق کا حاکم ہوگیا جس کے نتیجہ میں ہر اعلیٰ مناصب پر ایرانی نظر آنے لگے۔ یہ امر بنی عباسیوں کو بہت زیادہ شاق گذرا اور چند دنوں کے اندر ہی عراق میں بغاوت اور شورش پیدا ہوگئی۔ محمد بن ابراہیم علوی نے موقع غنیمت جان کر خروج کردیا اور کوفہ کی حکومت ان کے قبضہ میں آگئی۔ محمد بن ابراہیم سترہ روز کوفہ کی حکومت کر کے انتقال کرگئے۔ لوگوں نے زید بن یحیٰی بن زید شہید کو تخت پر بٹھادیا اور بنی ہاشم عراق کے حاکم مقرر ہوئے۔

غرض ایک طرف بنی ہاشم دوسری جانب بنی عباس عراق وشام ویمن میں بغاوت پھیلا رہے تھے جس کی مامون کو مطلق خبر نہیں تھی۔ فضل اسکا وزیر اپنے بھائی کی کمزوریوں کو پردۂ خفا میں رکھے ہوئے تھا یہاں تک کہ بنی عباس نے منصور بن محض عباسی کو کوفہ میں تخت سلطنت پر بٹھادیا۔ بغداد کے حاکم حسن بن سہل سے تمام عراق مخالف ہوگیا اور فقط بغداد پر اس کی حکومت باقی رہ گئی۔ فضل نے خیال کیا کہ اگر بنی عباس کو عراق پر مکمل تسلط حاصل ہوگیا تو میرا بھائی قتل کردیا جائے گا اور میری وزارت بھی جائے گی لہٰذا اس نے مامون کے پاس جا کر اہل عراق اور عباسیوں کی نافرمانی کے واقعات بیان کر کے مامون کو بے قرار کردیا۔ مامون دیر تک اس امر میں غور وفکر کرتا ہے پھر فضل سے اس کا چارہ کار پوچھا چونکہ فضل کو عباسیوں سے خطرہ لاحق تھا لہٰذا اس نے نہایت ہوشیاری سے مامون سے عرض کیا اے امیر اب ضرورت ہے کہ اہلبیتؑ طاہرین سے کسی کو منتخب کیجئے جو تمام صفات کمالیہ کا جامع ہو اور لوگوں کے دلوں پر جس کی عبادت وشرافت کا اثر قائم ہو۔ ایسے برگزیدہ صفات کی حکومت سے اختلافات کا خاتمہ ہوجائے گا اور ہر شخص اس کی اطاعت کا محکوم ہوجائے گا۔ مامون یہ سنکر خاموش ہوگیا اور رات بھر غور وفکر کرتا رہا سب سے پہلے اس نے بنی عباس پر نظر ڈالی مگر تیس ہزار بنی عباس میں اس کو ان صفات کا حامل ایک بھی نظر نہیں آیا اس کے بعد بنی ہاشم پر نگاہ ڈالی جس میں امام رضاؑ کے علاوہ اسے کوئی ہستی ایسی نظر نہیں آئی جو بہ احسن وجوہ ان مقاصد کو اتمام تک پہونچاتی اور ہر شخص اس کے ذاتی کمالات سے دب کر خاموش ہوجاتا۔ بالآخر جب تجسّس کی نگاہیں تھک گئیں اور کوئی فرد بشر اس کو بنی

عباس یا بنی ہاشم میں نہ جچا تو اپنے وزیر فضل کو بلاکر حکم دیا کہ جلد از جلد امامؑ کو لانے کی کوشش کی جائے آپ کے علاوہ کوئی اس فتنہ کو فرو نہیں کرسکتا۔

تجزیہ

اس مقام پر فضل کی مجبورانہ تحریک پر مامون کا کئی روز تک تامل کرنا اور غور وفکر کے بعد حضرت پر اعتماد کرنا مامون کے عقیدہ پر کافی حد تک روشنی ڈالتا ہے۔ اگر مامون واقعی شیعہ ہوتا تو اپنی ولی عہدی کے واسطہ ہارون رشید کے زمانہ میں کیوں کوشش کرتا ہے جس کے واقعات سے تاریخیں بھری ہوئی ہیں پھر اپنی کوششوں میں کامیاب ہوکر ۱۹۳ھ میں تخت نشین ہوتا ہے اور ۲۰۰ھ میں حضرت کو بلانے کی ضرورت پیش آئی۔ آٹھ سال بادشاہی کرکے زوال سلطنت کے آثار دیکھ کر امام علیہ السلام یاد آئے۔ اس کے علاوہ مامون کا کوئی فعل حسن عقیدت کا تاریخوں سے ثابت نہیں ہوتا اور اس کے وزیر خوش تدبیر کی بھی حالت یہ ہے کہ جب اپنے بھائی کی جان پر آبنی اور اپنی وزارت اور مامون کی سلطنت میں رخنہ پیدا ہوتا نظر آیا اس وقت مامون کے سامنے یہ تحریک پیش کی جاتی ہے اس طرح بخوبی ثابت ہوجاتا ہے کہ وزیر اور بادشاہ کی یہ سیاسی چال تھی ملکی مصالح اور سیاسی تدبیر تھی بہرحال مامون کی جانب سے عریضہ پر عریضہ اور تحائف پر تحائف پہونچنے لگے مگر حضرت خاموشی سے ٹال دیتے ہیں۔ آخر میں مامون اپنے ماموں رجاء بن ضحاک کو چند مخصوص ایرانیوں کے ہمراہ کرتا ہے۔

رجاء بن ضحاک کی آستانہ امام رضا علیہ السلام پر حاضری

مامون کا سفیر رجاء بن ضحاک نہایت امیدوں کے ساتھ آستانہ امامؑ پر حاضر ہوا۔ حضرت نے سب سے پہلے مہمانوں کی خاطر ومدارات کا اسی پیمانہ پر اہتمام کیا جو تمام عرب میں بنی ہاشم کا مخصوص حصہ قرار پاچکا تھا۔ جب آپ مہمانوں کی ضیافت سے فارغ ہوچکے تو آپ نے مامون کے خط کو پڑھا اور ارشاد فرمایا: اے ابی ضحاک انسان ارادۂ تقدیر سے مجبور ہے اس وقت میں نے اس امر خاص پر کوئی اپنی رغبت اور رجحان نہیں دکھلایا مگر سلطان وقت کی یہی خواہش ہے تو خیر ''رضاً بقضائہ و تسلیماً لامرہ''

نیشاپور میں امامؑ کا ورود

جس شہر سے بھی امامؑ کی سواری گذرتی لوگ گروہ درگروہ آپ کے استقبال کے لئے بڑھتے اور حضرت کی زیارت کے لئے جمع ہونے لگتے۔ چہار جانب سے آوازیں بلند ہورہی تھیں یابن رسول اللہؐ ذرا ہودج سے چہرۂ مبارک نکالئے تاکہ ہم فاطمہؑ کے چاند کی زیارت کرلیں۔ جب حضرت کی سواری نیشاپور کے

نزدیک پہونچی۔ شہر میں پہلے سے خبر پہونچ چکی تھی اس وقت نیشاپور اہل علم کا مرکز تھا۔طلاب ، علماء اور عمائدین شہر لباس فاخرہ پہنکر استقبال کے لئے شہر سے باہر نکلنے لگے۔ مورخین کا اس مرکز پر ہجوم ہے۔ چوبیس ہزار صاحبان قلم حدیث کو تحریر کرنے کے لئے آمادہ ہیں۔ اس متواتر اور مشہور قول سے عوام الناس کی کثرت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے علماء اور طلاب کو یہ اشتیاق تھا کہ آج فرزند رسولؐ سے باسناد آئمہ طاہرین کوئی حدیث سن کر لکھ لیں کہ یہ ایسا سلسلہ ہے جس میں کوئی شبہ نہیں ہوگا چنانچہ حافظ ابو ذرعہ محدث اعظم اور محمد بن اسلم جواکابرین علماء نیشاپور سے تھے اپنے اپنے شاگردوں کو لئے ہوئے آگے بڑھے۔ حضرت کی سواری نظر آتی ہے رکاب سعادت کو بوسہ دیکر عرض کرتے ہیں ایّھا السید السادات ، ایّھا الامام السّلالۃ الطّاھرہ آپ کو جد امجد کا واسطہ ہمیں اپنا دیدار کرائیے اور اپنے جد بزرگوار کی کوئی حدیث اپنے آباء کرام کے سلسلہ سے زبان مبارک سے ارشاد فرمائیے تاکہ ہمارے واسطہ باعث ہدایت اور توشہ آخرت کا ذریعہ ہو چنانچہ دریائے فصاحت کی موجیں متحرک ہوئیں۔ سلسلہ کلام کا آغاز ہوا حضرت نے بالترتیب اپنی ذات سے آغاز کیااور سلسلہ حدیث کو اپنے آباء واجداد کے واسطہ سے منزل وحی تک پہونچا کر جبرئیل کے واسطہ سے حدیث ارشاد ہوئی قال سمعت ربّ العزّۃ سبحانہ وتعالیٰ یقول کلمہ لااله الاّ اللّٰہ حصنی فمن دخل فی حصنی امن من عذابی صدق اللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ وصدق جبرئیل وصدق رسولہ والائمۃ ولکن بشرطھا و شروطھا وانا من شروطھا۔

یعنی مجھے میرے پدربزرگوار نے نقل کیا اور ان سے ان کے والد بزرگوار امام جعفر صادقؑ نے یہاں تک کہ سلسلہ حدیث کو آنحضرتؐ تک پہونچا کر ارشاد فرمایا کہ حضرت جبرئیل نے فرمایا میں نے ربّ العزت سے سنا جو شخص کلمہ طیبہ کہے وہ ہمارے قلعہ امان میں داخل ہوا اور میرے عذاب سے محفوظ ہوگیا اس کے بعد حضرت نے ارشاد فرمایا سچ کہا جبرئیل نے اور سچ فرمایارسولؐ جلیل نے اور سچ فرمایا آئمہ طاہرین نے لیکن اس کے ساتھ شرائط ہیں جس میں ہم بھی شامل ہیں۔

حدیث سلسلۃ الذّہب:

اس حدیث کو اس کے پاکیزہ سلسلہ کے باعث ''حدیث سلسلۃ الذّہب کہتے ہیں جیسے ہی امامؑ نے یہ حدیث ارشاد فرمائی علماء ومحدثین کے قلم حرکت میں آئے۔ کتابت شروع ہوگئی ۔

ابوذرعہ اور محمد مسلم ایک ایک لفظ پکار پکار کر پڑھتے تھے اور لوگ لکھ رہے تھے جس کے پاس کاغذ نہیں تھا اس نے اس حدیث کو اپنے دامن پر لکھ لیا اور بعد میں اس حدیث کی وہ قدر دانی ہوئی کہ چاندی سونے کی تختیوں پر کنداں کرکے سلاطین نے اپنے درباروں میں آویزاں کی ۔

امام رضاؑ کی مامون سے ملاقات

حکم شاہی سے شہر کو آراستہ کیا گیا۔ مامون آگے بڑھتا ہے اور رکاب کو بوسہ دیکر عرض کرتا ہے: فرزند رسولؐ! آپ خستہ ہیں سفر کی تکان ہے محمل سے اترنے کی زحمت نہ فرمائیں۔ چند روز کے آرام کے بعد مامون حضرت کو قصر شاہی میں طلب کرتا ہے اور مراسم تعظیم اور دست بوسی بجالانے کے بعد حضرت کو اپنی مسند کے برابر بٹھا کراس نے مطلب کا آغاز کیا۔ فرزند رسولؐ میں نے آپ کو اس لئے زحمت دی ہے کہ آپ جملہ صفات میں مجھ سے زیادہ خلافت وامامت کے حقدار ہیں لہٰذا آپ مسند خلافت کو قبول فرمائیں اور اپنے قدموں سے تخت امارت وحکومت کو زینت بخشیں۔ حضرت نے فرمایا تمام فخر و بزرگی رب العالمین کے لئے سزاوار ہے۔ عقلائے زمانہ تعلق دنیا سے خاص کر اس لئے احتیاط کرتے ہیں کہ وہ اپنے نفس کو شروفساد سے محفوظ رکھیں۔ جب مامون کی جانب سے زیادہ اصرار ہوا تو آپ نے فرمایا'' اے امیر اگر تمہاری یہ خلافت اس حیثیت سے ہے کہ خدا نے یہ خلعت تمہیں عطا کیا ہے تو اپنے جسم سے اتار کر دوسروں کو پہنا دینا کب جائز ہوسکتا ہے اور تم کو دینے کا کیا حق ہے اور اگر یہ مال غیر ہے تو تم کو دینے کا کیا استحقاق ہے''۔ حضرت کا یہ ارشاد معجزانہ بیان ہے کہ مامون جیسے جابر بادشاہ کے روبرو امر حق کا اس حسن سے ادا کرنا کہ مرکز حق سے متجاوز نہ ہو معصوم ہی کا کام ہے۔

حضرت کا مطلب واضح ہوگیا کہ خلافت کوئی ایسی چیز نہیں جو تمہارے دینے سے ہمیں ملے یہ منصوص من اللہ ہے تم کو دینے کا کیا حق ہے اور میں تمہارے دینے کا کب محتاج ہوں یعنی اگر وہ صفات ہمارے اندر موجود ہیں جو خلیفۃ اللہ میں ہونا چاہیئے تو ہم اس کے مقرر کردہ ہیں اور اگر وہ صفات ہماری ذات میں نہیں، تو تیرے دینے سے کیا ہوتا ہے۔

امام علیہ السلام مامون کے اصرار شدید کے باوجود ولایت کی قبولیت سے انکار فرماتے ہیں آخر میں مامون کہتا ہے میں آپ کو یقین دلاتا ہوں اگر آپ میری ولی عہدی کو قبول نہیں فرماتے تو میں سلطنت کی تحقیر وتذلیل کے جرم میں آپ کو قتل کردوں گا۔ مامون کا جواب سن کر امامؑ کے چہرہ برگذشتہ افشار واضطراب کے برعکس اطمینان سکون کے آثار نمایاں ہوجاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اب جبکہ اس امر کی یہ صورت پہونچ گئی ہے اور یہ معاملات ان حدود تک پہونچ گئے ہیں تو مجھے تیری استدعا قبول کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کیونکہ اب میرا انکار میری ہلاکت کا باعث ہوگا اس لئے کہ آیت لاتلقوا بایدیکم الی التّھلکہ کی تعمیل مجھ پر واجب ہوگئی ہے لہٰذا میں تیری ولی عہدی ان شرائط پر تسلیم کرتا ہوں کہ میں کاروبار سلطنت میں کوئی دخل نہیں دوں گا نہ کسی کو معزول کروں گا نہ کسی کو مامور۔ نہ ہی کسی آئین ملکی کو تبدیل کروں گا نہ ہی کسی قواعد مالی

کو متغیر کروں گا البتہ ان امور کی مداخلت سے علیحدہ رہ کر تجھ کو ان تمام ملکی امور میں جن میں تجھے میرے مشورے کی ضرورت ہوگی جو حکم خدا ورسولؐ اور شریعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق اور مصلحت وقت کے موافق ہوگی مشورہ دیا کروں گا۔

امام علی رضاعلیہ السلام کی بارگاہ الٰہی میں التجا

جب مامون نے امامؑ کے شرائط قبول کر لئے اس وقت حضرت نے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی جانب بلند کرتے ہوئے یوں عرض کیا پروردگارا تو جانتا ہے کہ میں نے اس امر کو مجبوری اور ناچاری کے سبب قبول کیا ہے۔ پروردگار تو میرے اس فعل پر مجھ سے بھی اسی طرح کوئی مواخذہ نہ فرمانا جس طرح جناب یوسف اور حضرت دانیال علیہما السلام سے ان کے معاملات کے متعلق کوئی باز پرس نہیں فرمائی جاسکی پھر حضرت نے یہ دعائیہ فقرے دہرائے۔

اللّٰھمّ لاعھد الاّ عھدک ولاولایۃ الاّ قبلک فوفّقنی الا قامۃ دینک واحیاسنّۃ نبیّک فانّک نعم المولیٰ ونعم النّصیر۔

پروردگارا کوئی عہد سوائے تیرے عہد کے اور کوئی ولایت سوائے تیری ولایت کے نہیں ہے۔تو مجھ سے اپنے دین پر قائم رہنے اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت زندہ کرنے کی راہوں پر مستقل رہنے کی توفیق عنایت فرما۔

اب تک کی گفتگو کا یہی خلاصہ نکلتا ہے جب صاحبان اقتدار اور ملکی فرمانروا اپنی ضرورتوں میں ان حضرات سے مشورہ کرتے تو یہ بزرگوار نظام امت کی ضرورتوں کو مدنظر رکھ کر اپنی مفید ہدایتوں سے کبھی دریغ نہ فرماتے تھے اور جو صلاح نیک اور مصلحت زمانہ ہوتی تھی وہ نہایت آزادانہ طریقہ سے دی جاتی تھی۔